قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
بَلِّغُوْا عَنِّيْ وَلَوْ آيَةً

سلسلہ تبلیغ

بار اول
۳۳۰۰

وعظ

علاج الکبر

(تکبر کا علاج)

از افادات

حکیم الامۃ مجدد الملۃ حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ

عنوانات و حواشی

مولانا خلیل احمد تھانوی

ناشر شعبہ نشر و اشاعت

جامعہ دار العلوم الاسلامیہ

کامران بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور

فون کامران بلاک: ۴۴۸۰۰۰-۵۴۴۴۲۱۳ فون پرانی انارکلی: ۷۳۵۳۰۲۸

شوال المکرم ۱۴۱۸ھ

فروری ۱۹۹۸ء

علاج الکبر

حضرت والاؒ نے تکبر کے علاج کے موضوع پر یہ وعظ اپنے مکان واقع تھانہ بھون، ۲۳ صفر المظفر سنہ ۱۳۲۸ھ کو ایک گھنٹہ سات منٹ تک بیٹھ کر ارشاد فرمایا۔

سامعین کی تعداد ۵-۶ تھی۔ حکیم محمد مصطفے صاحب بجنوری نے اسے قلم بند کیا۔

علاج الکبر (۱)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذباللہ من شرور انفسنا ومن سیّات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادلہ ونشھد ان لا الہ الااللہ وحدہ لاشریک لہ ونشھد ان سیدنا ومولانا محمدا عبدہ ورسولہ صلی اللہ علیہ وسلم اما بعد: فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم. بسم اللہ الرحمن الرحیم. ولہ الکبریاء فی السموات والارض وھو العزیز الحکیم.

(اور اسی کو بڑائی ہے آسمانوں و زمین میں اور وہی زبردست حکمت والا ہے)

اللہ کی پہچان کا طریقہ

اس آیت میں حق سبحانہ تعالیٰ نے خاص اپنی ایک صفت بیان فرمائی ہے کہ اگر اس کو انسان خیال میں رکھے تو کل مفاسد (۲) اس سے الگ رہیں۔ خلاصہ اس کا معرفت تعلق انسانی ہے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ظاہر ہے تعلق امر نسبتی ہے جو طرفین (۳) کو چاہتا ہے ایک طرف حق تعالیٰ ایک طرف بندہ۔ تو اس کے تعلق کے پہچاننے کا طریق دو معرفتوں (۴) کا جمع کرنا ہے۔ معرفت حق تعالیٰ کی اور معرفت ہے نفس کی اور ان میں سے ہر ایک کو دوسرے کے ساتھ تلازم (۵) بھی ہے اگر حق تعالیٰ کو پہچان لیا جاوے تو نفس کی پہچان ہو جائے گی اور اگر نفس کا علم

۱۔ تکبر کا علاج ۲۔ برائیاں ۳۔ یہ پہچان لینا کہ انسان کو اللہ تعالیٰ سے کس قسم کا علاقہ اور تعلق ہے ۴۔ دو پہچانوں کا جمع کرنا ۵۔ ایک دوسرے کے لیے لازم ہے کہ ایک پہچان دوسرے کی پہچان کا ذریعہ ہو گی

ہوجائے تو معرفت حق تعالیٰ ہوجائیگی۔ اسی طرح کہا گیا ہے من عرف نفسہ فقد عرف ربہ جس نے اپنی حقیقت پہچان لی اس نے پروردگار کو جان لیا اور پہلی معرفت[1] دوسری معرفت سے اس لیے اہم ہے کہ نفس تو حاضر ہے اور اللہ غائب اور غائب کا فنا مشکل ہے حاضر سے اس اہمیت کے سبب اس آیت میں اسی کی تعلیم کی گئی ہے کہ اس میں اپنی ایک صفت ذکر فرمائی کہ اس صفت سے پہچانیں اور وہ صفت کبریاء ہے جو تمام صفات کے درجہ کمال کو شامل ہے اور معنی اس کے بڑائی جس کو حق تعالیٰ نے اپنے ساتھ مخصوص فرمایا ہے اور جب یہ حق تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے تو دوسرے میں نہ ہونی چاہیئے اور بندے میں اس کی بالکل نفی ہونی چاہیئے سو جب تک یہ معرفت محفوظ رہیگی حاشا وکلا[2] جو کوئی مفسدہ بھی ہونے پائے اور جب یہ معرفت نہ رہیگی اور بندہ صفت کبریاء[3] کو اپنے اندر لینا چاہے گا تو جو کچھ بھی منکرتیں[4] اور عیوب پیدا ہوں کم ہیں۔

تمام گناہوں کی جڑ تکبر

اور واقع میں یہی ایک صفت کبر ہے کہ جڑ ہے تمام مفاسد[5] کی حتیٰ کہ شرک کی۔ دنیا میں جو کوئی کافر ہوا ہے وہ کافر نہیں ہوا مگر اپنے نفس کے کبر سے ورنہ حق مخفی نہیں رہتا۔

وجحدوا بها واستيقنتها الآية. ظلم اور علو کو سبب فرمایا ہے جحد کا علو[6] اور کبر ہم معنیٰ ہیں ابو طالب کو ایمان سے کس نے روکا صرف عار نے یوں کہا کہ مرتے وقت ایمان لاؤں گا تو قوم میری کہے گی طالب دوزخ سے ڈر گیا۔

۱۔ یعنی نفس کی پہچان ۲۔ ہرگز ہرگز کوئی خرابی نہیں ہوسکتی ۳۔ بڑائی کی صفت ۴۔ قباحتیں اور عیب
۵۔ تکبر ہی جڑ ہے تمام برائیوں کی ۶۔ بلندی اور تکبر ہم معنی

اس کی حقیقت یہی تو ہے کہ رفعت[۱] قوم پر حاصل ہے وہ نہ رہے گی۔ اس رفعت نے بہچانا نہ چھوڑا یہاں تک کہ کام تمام ہی کر دیا۔

تکبر کم و بیش ہر طبقہ میں پایا جاتا ہے

اور کبر کا وجود کسی ایک گروہ میں نہیں بلکہ یہ وہ عام مرض ہے کہ کم و بیش ہر طبقہ کے لوگ اس میں شامل ہیں اور دوسرے عیوب میں تو اکثر جاہل لوگ پھنسے ہوتے ہیں تعلیم یافتوں میں وہ عیب کم ہوتے ہیں کیونکہ وہ ان کے برے نتائج کو جانتے ہیں لیکن اس میں جاہل عالم سب کم و بیش مبتلا ہیں۔ مشرکین سب جاہل تھے۔ اب اس گروہ کو دیکھیے جو تعلیم یافتہ کہلاتا تھا یعنی اہل کتاب ان کو بھی ایمان لانے میں جو حارج[۲] ہوا سو وہی کبر[۳]۔ اس مختصر بیان سے بقدر کفایت[۴] اس کی توضیح ہو گئی کہ کفر و شرک کا مبنیٰ[۵] ہمیشہ کبر ہے۔ اب غور کر کے دیکھیے تو یہ بھی ثابت ہو جائے گا اور بہت سے معاصی کا مبنیٰ بھی یہی ہے جو کفر و شرک سے نیچے ہیں ایسے گناہ کبر سے اس طرح ہوتے ہیں کہ گنہگار اپنے برے عمل کو اس عار[۶] کی وجہ سے نہیں چھوڑتا تاکہ لوگ کہیں گے کیا اتنے روز سے یہ احمق رہا اس کام کو ہمیشہ سے کیوں کرتا رہا جواب چھوڑنا پڑا۔

تکبر کا علاج

اس شخص نے عیب حماقت سے اپنے نفس کو بچایا یہی کبر بڑا مرض ہے

۱۔ قوم پر برتری ۲۔ رکاوٹ ۳۔ تکبر ۴۔ اس مختصر بیان سے تکبر کی وضاحت ہو گئی ۵۔ کفر و شرک کا اصل سبب تکبر ہی ہے ۶۔ شرمندگی

تو علاج بالضد[۱] ہوا کرتا ہے۔ یہ مرض پیدا ہوا عدم معرفت کبریاء[۲] حق سے تو علاج معرفت کبریاء حق ہوگا عظمت حق تعالیٰ کی اس کو حق تعالیٰ نے آیت میں بلفظ حصر اپنے واسطے ثابت کیا ہے ولہ الکبریا، اسی کے واسطے ہے عظمت، بلاغت کے قاعدے سے لہ[۳] کو مقدم کرنے کا یہ ہی مطلب ہے کہ عظمت مخصوص ہے ذات باری تعالیٰ کے ساتھ، یہ صفت دوسرے میں بالکل نہیں ہوسکتی نیز یہ نہیں فرمایا کہ "ولہ الکبرالعظمی" کہ بڑی عظمت تو حق تعالے کے لیے ہے اور چھوٹا موٹا کوئی حصہ اس کا دوسرے کے لیے بھی ثابت بلکہ مطلق کبریاء کو دوسرے سے نفی کردیا۔ اسی کو حدیث میں اس لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ العظمۃ ازاری والکبریاء ردائی فمن نازعنی فیھما قصمتہ یعنی عظمت میرا تہبند ہے اور کبریاء میری چادر ہے جو کوئی ان دونوں کو مجھ سے چھیننا چاہے گا میں اس کی گردن توڑدوں گا۔ چادر اور تہبند فرمانا کہ خصوصیت سے معنیٰ یہ ہوئے کہ یہ دونوں صفتیں خاص ہیں میرے ساتھ دوسرا کوئی مدعی بھی ہوا تو سزادوں گا۔ جب کبریاء حق ہوا باری تعالیٰ کا تو اپنے نفس میں اس کا رکھنا مساواۃ[۴] ہوئی باری تعالیٰ کے ساتھ اور دیگر معاصی[۵] کے لیے تو حدود ہیں کہ جب تک ان تک نہ پہنچے معصیت نہیں ہوتی کہ اتنا زیادہ نہ ہو کہ موجب ہوجائے مرض کا اس وقت تک مباح ہے یا بھوکا رہنا کہ جب تک سبب نہ ہوجائے ہلاکت کا جائز ہے۔

۱۔ ضد کے ساتھ علاج یہ ہے گرمی کا علاج سردی سے کیا جائے اسی اصول پر یہ علاج ہوگا کہ تکبر پیدا ہوا اس لیے کہ یہ اصل میں اللہ کی بڑائی کو نہیں جانتا اس لیے اس کو اللہ کی بڑائی کو پہچاننا چاہیے جب اس کی بڑائی کا استحضار ہوگا اپنی بڑائی کا دعوی نہیں کرسکتا ۲۔ اللہ کی بڑائی کو نہ پہچاننے سے ۳۔ جس کو موخر ذکر کرنا ہو اگر اس کو پہلے ذکر کیا جائے تو عربی قاعدے سے حصر کا فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ تو یہاں بھی حصر کا فائدہ حاصل ہوا کہ بڑائی صرف اللہ کے لیے ہے دوسرے کے لیے نہیں ۴۔ برابری ۵۔ دوسرے گناہ

تکبر کی کوئی حد نہیں

مگر کبر وہ معصیت ہے کہ اس کے لیے کوئی حد نہیں بلکہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ لایدخل الجنۃ من کان فی قلبہ مثقال ذرۃ من کبر یعنی جس کے دل میں ایک ذرہ کے برابر بھی کبر ہوگا وہ جنت میں نہ جائیگا۔ بلکہ ایک حدیث میں اس سے بھی زیادہ تشدد ہے۔ اخرج من النار من کان فی قلبہ مثقال ذرۃ من ایمان. یعنی قیامت کے دن حکم ہوگا کہ جس میں ایک ذرہ بھر بھی ایمان ہے اسے دوزخ سے نکالو اس کو پہلی حدیث سے ملایئے تو کیا نتیجہ نکلتا ہے فرماتے ہیں ایک ذرہ بھر کبر جس کے دل میں ہے جنت میں نہ جائیگا۔ یہاں فرماتے ہیں ایک ذرہ بھر ایمان جس کے دل میں ہے جنت میں جائے گا اس سے صاف یہ بات نکلتی ہے کہ ذرہ بھر کبر بھی جس کے دل میں ہے اس میں ذرہ بھر ایمان نہیں ہوسکتا اور ذرہ بھر ایمان جس دل میں ہے اس میں ذرہ بھر کبر نہیں ہوسکتا ہے دونوں میں بالکل نقیضین[1] ہیں۔ گو اس کی توجیہہ یہ ہے کہ جنت میں جانے کے بعد ذرہ بھر کبر نہ ہوگا لیکن آخر اس سے بھی تو اس صفت کا مضاد[2] ایمان کسی درجے میں ہونا ثابت ہوا۔ اب سمجھ لو کہ کبر کس قدر سخت معصیت ہے اور ہونا ہی چاہیئے کیونکہ سب سے بڑا گناہ کفر ہے اور کبر خود اس کی بھی اصل ہے اور کفر اس کی فرع[3] تو مسلمان کو چاہیئے غور کیا کرے کہ اس کے دل میں کبر ہے یا نہیں مگر ہماری تو عادت ایسی ہے کہ سوچتے ہی نہیں ورنہ معلوم ہوجاتا کہ نہ دیندار ہمارے خالی ہیں کبر سے نہ دنیادار خالی ہیں کبر سے کہلاتے ہیں وہ دین کے پیرایہ میں اس میں گرفتار ہیں اور جو دنیادار ہیں ان کو خبر ہی نہیں۔ خیر کوئی چیز ہے نہیں۔

۱۔ تکبر اور ایمان ایک دوسرے کی ضد ہے کہ ایک ہو تو دوسرا نہیں ہوسکتا ۲۔ مقابل ۳۔ سب سے بڑا گناہ کفر اس کی اصل تکبر ہے اور اس کی ایک شاخ کفر ہے

دینداروں میں تکبر کی صورت

چنانچہ دیندار لوگ نماز پڑھتے ہیں اور اپنے آپ کو سمجھتے ہیں کہ ہم دنیاداروں سے اچھے ہیں جتنی ترقی ان کو نماز پڑھنے سے ہوتی ہے اس سے زیادہ تنزل اس پندار[1] سے ہی ہے دین کے ساتھ ساتھ بد ترین دنیا ان کے قلب میں جگہ پکڑے ہوئے ہے۔ اس کا مطلب کوئی یہ کہے کہ نماز میں جب یہ خرابی ہے تو ان کو چاہیے نماز چھوڑ دیں اصل یہ ہے کہ یہ خرابی نماز میں جب پیدا ہوتی ہے جبکہ حق تعالیٰ کی عظمت قلب میں نہ ہو اور جب عظمت ہو تو دوسری طرف توجہ ہی نہیں ہو سکتی۔ مگر حق تعالیٰ کی عظمت کے سامنے اپنی نماز سے آدمی بجائے اس کے کہ اترا وے الٹا شرمندہ ہوتا ہے اس کی صحیح مثال ہے کہ کسی بہت بڑے شہنشاہ کے حضور میں ایک نہایت ذلیل آدمی کوئی تحفہ بہت کم قیمت لے جائے دربار کی عظمت و شوکت دیکھ کر اس کی کیا حالت ہوگی مختصر یہ ہے کہ اس ذلیل تحفہ کو پیش کرنے پر بھی سو قدرت نہ ہوگی ہاتھ پیر پھول جائیں گے اور غنیمت سمجھے گا کہ کسی سزا کا حکم نہ ہو جائے جلدی کسی طرح عمل سے خیریت سے نکل جاؤں۔ ہماری نمازوں کی جو کچھ حقیقت ہے وہ خوب معلوم ہے۔ پھر اس کو حق تعالیٰ جیسے احکم الحاکمین کے سامنے پیش کر کے ذرا شرم بھی نہ آنا اسی وجہ سے ہے کہ عظمت و جلال حق تعالیٰ سے ہم نے قطع نظر کر لی ہے اور اسی سے یہ خرابی پیدا ہوئی کہ دوسری طرف توجہ ہوئی اور اپنی نماز کو سمجھ کر دوسروں کو حقیر سمجھنے لگے اس تقریر سے بخوبی سمجھ میں آ گیا ہوگا کہ نماز پڑھنے یا اور دین کے کام بجالانے سے اگر دل میں کبر پیدا ہو تو اس کا علاج یہ نہیں کہ اس عمل کو چھوڑ دیا جاوے بلکہ جو سبب اس کو قطع کیا جائے سبب اس کبر کا تعمیل حکم دین نہیں بلکہ عظمت الٰہی کا

---

[1] اس خیال میں مبتلا ہونے سے ہوتا ہے

دل میں نہ ہونا ہے سو اس کو پیدا کرنا چاہئیے اس سے تعمیل حکم بھی ہوگی اور جو خرابی جو اس کے ساتھ لگی ہوئی ہے وہ بھی نہ رہے گی۔ اس غلطی میں بہت سے پڑھے لکھے اور سمجھدار بھی مبتلا ہیں خوب سمجھ لو غرض ہمارے دیندار بھی کبر میں مبتلا ہیں اور دنیادار بھی۔

دنیاداروں میں تکبر کی صورت

دنیاداروں میں اس طرح کا کبر تو نہیں ہے جو دینداروں میں ہے ہاں دنیا داروں میں اور طریقے کبر کے ہیں۔ وضع میں لباس میں۔ بیاہ شادی میں کبر میں سب گناہوں سے بڑھ کر ایک خرابی اور ہے وہ یہ کہ مسلمان خواہ کسی درجہ کا ہو مگر اس کے دل میں یہ بات ضروری ہے کہ جب کوئی گناہ ہو جائے کر تو گذرتا ہے کسی ضرورت سے لیکن کرنے کے بعد دل میں چوٹ ضرور لگتی ہے اور پشیمان[۱] ہوتا ہے مگر کبر کہ یہ گناہ ساری عمروں میں رہتا ہے اور دل پر صدمہ نہیں ہوتا۔ آپ دیکھتے نہیں کہ بیاہ شادی کی جتنی رسمیں ہیں سب تفاخر[۲] ہی پر مبنی ہیں پھر کسی کے دل کو صدمہ تو کیا اور ان سے خوش ہوتے ہیں خاص کر جب کہ ان میں وہ ثمرہ مرتب[۳] بھی ہو جائے جس کے واسطے کی جاتی ہیں یعنی علو[۴] اور شہرت جبکہ کسی کے یہاں تقریب میں بد نظمی نہ ہو اور کوئی اختلاف پیدا نہ ہو اور خیریت سے اختتام کو پہنچ جائے تو نام ہوتا ہے یوں کہتے ہیں اپنی حیثیت سے زیادہ لگادیا بڑی ہمت کی پانچ روپے کی اوقات میں کھانا کیا اچھا دیا۔ بارات کیسی بڑھیا لایا۔ اس کو کفر نہ کہئیے مگر قریب کفر ضرور ہے دیکھیئے شرعی مسئلہ ہے اور کتابوں میں لکھا ہے کہ گناہ کو چھوٹا سمجھنا کفر ہے اس کو سب جانتے ہیں مگر اس کو خاص کرلیا ہے۔

۱۔ شرمندہ ۲۔ سب فخر کرنے پر مبنی ہیں ۳۔ نتیجہ بھی مرتب ہو جائے ۴۔ بڑائی

ظاہرہ کے ساتھ کیوں صاحب معاصی قلبیہ[۱] میں یہ حکم کیوں جاری نہیں حالانکہ وہ ام المعاصی[۲] ہیں پھر کبر کے ساتھ رضا اور فرح[۳] قریب کفر بھی نہ ہوگا اب سمجھ لیا آپنے نام آوری[۴] سے خوش ہونا کس درجے کا گناہ ہے رسموں کے متعلق ایک یہ دلیل سیکھ لی ہے مستورات نے آج ہی کل نئے مولوی نکل آئے ہیں اگر یہ بری تھیں تو پہلے کسی مولوی نے کیوں منع نہیں کیا۔ خوب سمجھ لو کہ نصیحت خود کیسی ہی معمولی سی ہو دل میں جب ہی جمتی ہے جبکہ توجہ ہو تو یہ کہنا تو غلط ہے کہ کسی مولوی نے منع نہیں کیا مولویوں نے ہمیشہ سے منع کیا ثبوت اس کا یہ ہے کہ انہیں کی کتابیں موجود ہیں جن میں منع لکھا ہے ہاں تم نے ان کے منع کرنے کو سنا نہیں کیونکہ توجہ ہی نہیں تھی اب یہ بات اپنے دل سے گھڑ لی کہ منع نہیں کیا۔ ایک یہ بھی کہا جاتا ہے کہ رسمیں تو وہ تھیں جو کسی زمانے میں تھیں مثلاً گنگنا باندھنا ہاں سے تاریخ رکھوانا وغیرہ وغیرہ اور اب تو کچھ رسمیں رہی ہی نہیں ان میں کیا کفر و شرک ہے۔

بیبیو! کیا کفر و شرک ہی علت ہے منع ہونے کی کیا تفاخر اور سمعہ[۵] اور اسراف علت نہیں ہے جس شریعت میں کفر و شرک کو برا لکھا ہے کبیرہ گناہ کو بھی تو برا لکھا ہے زائد سے زائد گوہ اور موت[۶] کا سا فرق کہہ لو۔ بلکہ میں کہتا ہوں ایک معنی کر موجودہ رسمیں ان رسموں سے زیادہ بری ہیں جو چھوٹ گئیں اس واسطے کہ تمہارے ہی قول کے بموجب ان کا مبنیٰ کفر پر تھا اور ان کا مبنیٰ اس چیز پر ہے کہ وہ کفر کی بھی جڑ ہے یعنی کبر۔ پہلی رسمیں کفر تھیں لیکن حظ نفس[۷]

۱۔ دل کے گناہوں میں ۲۔ سب گناہوں کی اصل ۳۔ تکبر کو پسند کرنا اور اس پر خوش ہونا کیا کفر کے قریب نہ ہوگا ۴۔ شہرت کا طالب ہونا ۵۔ ایک دوسرے پر فخر کرنا اپنی شہرت کی خواہش پر عمل میں زیادتی ۶۔ پیشاب پاخانہ ۷۔ نفس کو خوش کرنے سے

سے خالی تھیں ان کے ترک میں تھیں مزاحم[1] نہ تھا کیونکہ ان میں حظ نہیں تھا اور رسوم موجودہ میں حظ نفس ہے ان سے تنبہ ہونے کی امید نہیں۔ سمجھ لو کہ کفر و شرک میں حظ نفس نہیں ہوتا۔ اس واسطے کہ نفس کو سب سے زیادہ ناگوار کسی کے سامنے لپنا[2] ہے تو جو شخص مشرک ہے اس کو بت سوں کے سامنے لپنا پڑتا ہے تو اس میں حظ کہاں۔ جہالت وغیرہ اور داعی ان کو ہو جاتے ہیں ورنہ نفس کے وہ رسوم خلاف ہیں علیٰ ہذا یہ سمجھنا کہ آج کی رسمیں کچھ رسمیں ہی نہیں ہیں اور زیادہ خطرناک ہے کیونکہ جس گناہ کو آدمی گناہ نہ سمجھے اس سے توبہ کی کیا امید ہو سکتی ہے کیونکہ توبہ نام ندم یعنی پشیمانی کا ہے اور پشیمانی اسی چیز سے ہوا کرتی ہے جس کی کچھ برائی دل میں ہو۔ جب ان رسموں کی برائی ہی دل میں نہیں ہے تو پشیمانی[3] کیوں ہو گی اور جب پشیمانی نہیں تو اس سے توبہ کیسی۔ بعض رسموں کی نسبت یہ کہہ دیتے ہیں کہ اس میں کیا حرج ہے جیسے جہیز دینا، بچوں کو کرتا ٹوپی دینا ولیمہ یا عقیقہ[4] بہ ہیئت مروجہ کرنا۔ میں پوچھتا ہوں نماز پڑھنا کیسا فعل ہے ہر مسلمان کا عقیدہ ہے کہ فعل مستحسن ہے اس میں فرض بھی ہے اور واجب بھی ہے اور سنت بھی ہے کم از کم مستحب تو ہے ہی اب اگر کوئی اس میں ذرا سا تغیر[5] کر کے پڑھے مثلاً قبلہ کی طرف پشت کر کے پڑھے تو بتاؤ یہ نماز کیسی ہے جائز ہے کہ ناجائز اور اگر اس سے منع کریں تو یہ نماز سے منع کرنا کہلائے گا حاشا و کلا[6]۔ یہ نماز سے منع کرنا نہیں۔ بلکہ قبلہ کی طرف پشت کر کے پڑھنے سے منع کرنا ہے۔

۱۔ رکاوٹ ڈالنے والا ۲۔ جھکنا ۳۔ شرمندگی ۴۔ ولیمہ اور عقیقہ سنت ہیں لیکن موجودہ طریقے پر کرنے سے گناہ میں شمار کیا کہ اس میں بہت سی باتیں خلاف سنت ہوتی ہیں ۵۔ تبدیلی ۶۔ حاشا و کلا عربی میں دو حرف ہیں ایک کلمہ استثناء ہے دوسرا زجر کے لیے یہ کلمہ ایسے موقع پر بولا جاتا ہے جہاں ما قبل سے استثناء ہو لیکن زجر کے انداز میں تو اس مقام پر معنی یہ ہوں گے کہ خدا نخواستہ نماز سے منع کرنا مقصود نہیں ہے بلکہ عند اللہ حدیث میں اس برائی سے منع کرنا مقصود ہے جس کو نماز کے ساتھ شامل کیا

نماز سے منع کرنا کیسا نماز کو درست کرنا ہے۔یہی حال رسموں کا ہے جہیز دینے سے منع نہیں کیا جاتا بلکہ دکھلاوے اور تفاخر اور اسراف سے منع کیا جاتا ہے۔

مروجہ جہیز کی برائی

جہیز اگر اپنی بیٹی کو محبت کیوجہ سے دیا جاتا ہے تو اس میں اس کو کیا دخل ہے کہ برادری کے سامنے ایک ایک عدد دکھا کر گنوا کر دیا جائے اگر اسی کا نام محبت ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو اپنی بیٹی سے شادی ہی کی تاریخ میں محبت ہوئی اس سے پہلے نہ تھی کیونکہ پہلی کی عادت تو یہ تھی کہ جو کچھ کھلایا پلایا کبھی اس کی تشہیر نہیں کی کبھی ایسا نہیں ہوا کہ محلے کے دو چار آدمیوں کو بھی جمع کرکے دکھایا ہو کہ لڑکی کے لیے حلوا بنایا ہے یا کوئی کپڑا عمدہ سلوایا ہے بلکہ یہ کوشش رہتی تھی کہ کسی کو خبر بھی نہ پہنچے کہ پیٹ میں پڑ جائے کسی کی نظر نہ لگے اس وقت جو کچھ پیٹ میں پڑ جائے گا کام آئے گا یہ آج نئی محبت کیسی پیدا ہوئی اگر وہ محبت ہے تو یہ محبت نہیں اور اگر یہ محبت ہے تو اس سے پہلے بجائے محبت کے عداوت[1] تھی۔ بیبیو! ذرا عقل سے کام لو کیا جہیز دینے کی یہ صورت نہیں ہو سکتی کہ کپڑے برتن وغیرہ جو کچھ سامان دینا ہو صندوق بند کرکے بند بھیجدیئے جائیں اور بند بھیجنے میں بھی یہ ضرور نہیں کہ لڑکی کے ساتھ جاوے کیونکہ اس میں بھی ضرور ہے کہ وہ وہاں فوراً سب کے سامنے کھلے گا۔ وہی ریاء[2] پھر رہی بلکہ جب لڑکی میکے میں آوے اس کو دیدو پھر وہ جب چاہے لے جاوے خواہ دفعتاً یا تدریجاً[3] مگر اس کو کوئی گوارا نہیں کرتا ہے۔ ہمارے پاس یہ کافی ثبوت ہے اس امر کا کہ تفاخر اور دکھلاوا ہی منظور ہے پھر جہیز میں وہ چیزیں ہوتی ہیں جو کبھی کام

۱۔ دشمنی ۲۔ دکھلاوا ۳۔ ایک دم یا تھوڑا تھوڑا

نہیں آتیں صرف ضابطہ کی خانہ پری کر دیتے ہیں۔ چوکی ضرور دی جاتی ہے جس کا ناپ تول ایسا تجویز ہوا ہے کہ کار آمد نہیں نہ اتنی چھوٹی کہ ہر وقت اٹھانے بٹھانے کے قابل ہو اگر چھوٹی ہوتی تو باورچی خانے ہی میں پڑی رہا کرتی اور اتنی بڑی نہیں کہ نماز پڑھ سکیں۔ ایک عجیب درد سر ہے ایک جگہ ڈال دیں اور دیکھا کریں پیڑھی نواڑ کی بنی ہوئی ضرور ہوتی ہے حالانکہ کبھی کام میں نہیں آتی سوائے اس کے کہ ایک طرف احتیاط سے رکھدی جائے اور گل کر اور ٹوٹ کر ایندھن ہوجائے کیونکہ پیڑھی کا کام تو یہ ہے کہ چولہے کے پاس اس پر بیٹھ سکیں اور جہیز کی پیڑھی اس قدر نازک سبک اور تکلف کی ہوتی ہے کہ چولہے کے پاس رکھنے سے جی[1] دکھتا ہے چولہے کے پاس اس واسطے نہیں رکھی جاتی اور کسی کام کی ہے نہیں۔ بتاؤ یہ کون سی عقل کی بات ہے اسی کو التزام مالا یلتزم[2] کہتے ہیں جس سے علماء منع کرتے ہیں۔ جہیز کی چیزیں اکثر ایسی ہی ہوتی ہیں جو ایک دفعہ دکھانے کے لیے بنادی جاتی ہیں اور واقع میں بیکار اور پرانی ہوتی ہیں حتیٰ کہ بازار والے بھی جانتے ہیں جب خریدنے جاؤ تو پوچھتے ہیں گھر کے استعمال کیواسطے چاہیئے یا دینے کے لیے محبت اسی کا نام ہے۔

جہیز[3] بڑھیا ہونے کی ایک یہ بھی صورت ہے کہ لڑکے کے سارے خاندان کو جوڑے دیے جاتے ہیں اور خاندان میں کئی کئی پشت تک کے مردے بھی شمار کیے جاتے ہیں ان کے بھی جوڑے ہوتے ہیں شاید مردوں کو پہنانا منظور ہے لیکن تعجب یہ ہے کہ جوڑے پہننے کے قابل ہوتے بھی نہیں صرف ضابطہ کی خانہ پری

۱۔ دل دکھتا ہے ۲۔ جو چیز انسان کے ذمہ لازم نہ ہو اس کو اپنے اوپر لازم کرلینا ۳۔ یہ اس زمانے کے مطابق تفصیل جہیز ہے اور آج کل تو دکھاوے سے بڑھ کر گناہ کی چیزیں بھی دیجاتی ہیں کہ وی سی آر، ٹی وی وغیرہ کہ جب تک وہ اس کو دیکھیں ان کو بھی گناہ ہو اور دینے والے کو بھی کہ وہ ذریعہ بنا ہے گناہ کا۔ خلیل

کے لیے کپڑوں کے عدد پورے کردیے جاتے ہیں۔ پاجامہ کا کپڑا دیکھیے وہ چھوٹا، کُرتے کا دیکھیے وہ چھوٹا۔ جن کے یہاں پہنچتے ہیں وہ ان کا پاجامہ کُرتا بناتے نہیں کیونکہ بن ہی نہیں سکتا اور کاموں میں لاتے ہیں۔ کیا یہ باتیں عقل کی ہیں۔

ولیمہ کی حقیقت

یہ حالت تو جہیز کی ہے اب ولیمہ کی سنیے اس پر بہت ہی زور دیا جاتا ہے کہ یہ تو بالیقین سنت ہے۔ سنت کا نام تو سن لیا یہ بھی معلوم ہے کہ سنت کہتے کس کو ہیں سنت نام ہے ماثبت بالسنۃ یعنی وہ فعل جو حدیث سے ثابت ہو۔ ولیمہ بیشک حدیث سے ثابت ہے مگر لاتقربوا الصلوۃ کی مثل نہ کرو کہ نفس ولیمہ کا ثبوت تو حدیث سے لے لیا اور اس کی کیفیت جو حدیث میں آئی ہے چھوڑ دی جس طرح کہ نفس ولیمہ ثابت بالحدیث ہونے کی وجہ سے اختیار کرتی ہو اسی طرح اس کی کیفیت اور طریقہ بھی کیوں نہیں اختیار کرتیں اگر وہ ثابت ہے تو یہ بھی ثابت ہے جناب رسول اللہ ﷺ کے ولیمہ کی کیفیت سنیے حضور ﷺ نے ایک سفر میں حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا۔ صبح کو صحابہ سے فرمایا جو کچھ کھانے کی چیز کسی کے پاس ہو لے آؤ لوگوں کے پاس سفر میں جیسا کچھ توشہ موجود تھا لا رکھا کسی کے پاس کھجوریں تھیں کسی کے پاس پنیر تھا کسی کے پاس سوکھی روٹیاں تھیں جو کچھ تھا لا کر رکھ دیا اور سب نے حضور ﷺ کے ساتھ بیٹھ کر کھالیا یہ حضور ﷺ کا ولیمہ ہوگیا۔ ولیمہ کا ثبوت تو سب کو یاد ہے اس کیفیت کا ثبوت کسی کو یاد نہیں کیا کوئی ایسا کرسکتا ہے۔ یہ حدیث تو فعلی ہے قولی حدیث لیجیے شر الطعام طعام الولیمۃ یدعیٰ لھا الاغنیاء ویترک الفقراء۔ یعنی برا کھانا اس ولیمہ کا کھانا ہے جس میں امیروں کو بلایا جائے غریبوں کو چھوڑ دیا جائے۔ اس

حدیث سے معلوم ہوا کہ سب ولیمے اچھے ہی نہیں بعضے برے بھی ہوتے ہیں جب برا ہے تو منع کرنے کے قابل ہے یا نہیں۔ آج کل کا ولیمہ ایسا ہی ہوتا ہے اگر کوئی غریب محتاج مانگے تو کہدیتے ہیں پہلے جن کیواسطے پکا ہے ان کو تو کھالینے دو تم کو پیچھے ملے گا۔ اس ولیمہ کی برائی میں نے حدیث سے سنادی پھر علماء اگر منع کریں تو کیا الزام دوسری حدیث سے سنیئے نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عن طعام المتبارئین یعنی منع فرمایا حضور ﷺ نے ان دو شخصوں کے کھانے سے جو آپس میں ایک دوسرے پر فخر کرتے ہوں یعنی بختا بختی سے کھلا ہوتے ہوں۔ اب دیکھ لو کہ برادری کے کھانے ایسے ہی ہوتے ہیں یا نہیں۔ اگر ایک نے گوشت روٹی دیا ہے تو دوسرے کی کوشش ہوتی ہے کہ بریانی دے تیسرے کی کوشش ہوتی ہے کہ فرینی بھی موجود ہو چوتھا شیرمال اور بڑھاتا ہے۔ حدیث شریف کے بموجب ایک کے یہاں بھی کھانا نہ چاہیئے دیکھو یہ ان تقریبوں کی حالت ہے جن کو مسنون بتاتے ہیں۔

مروجہ رسوم کی حقیقت

بزرگوں کا قول ہے طعام المیت یمیت القلب اس کے معنی متعارف اور مشہور تو یہ ہیں کہ وہ کھانا جو کسی کی موت میں پکا ہو اس تقدیر میں طعام کی اضافت میت کی طرف بہت ہی بعید ملابست سے ہو سکتی ہے میرے نزدیک میت کے معنی معاصی[۱] کے لیے جائیں تو زیادہ مناسب ہے یہ استعمال قرآن شریف میں بھی آیا ہے اومن کان میتا فاحییناہ[۲] وہ شخص جو مردہ تھا پھر ہم نے اس کو دولت حیات بخشی۔ اب معنی طعام المیت کے یہ ہوں گے وہ کھانا جو گناہ کے

۱۔ گناہ ۲۔ الانعام آیت ۱۲۲

طریق پر پکا ہو یعنی اضافتہ الی الفاعل[1] ہوگی اس کھانے میں یہ نحوست ہے کہ دل مرجاتا ہے یعنی حس نہیں رہتی۔ مردہ اور زندہ میں احساس اور عدم احساس ہی کا تو فرق ہوتا ہے۔ جب قلب میں حس نہ رہی تو جس گناہ میں بھی پڑجائے کم ہے۔ یہ برکت ہے ان ولیموں اور عقیقوں اور بھاجیوں کی جن کو کہتی ہو یہ رسمیں تھوڑا ہی نہیں۔ انہیں رسم نہ کہو اثم[2] سمجھ لو۔ یاد رکھو یہ سب رسمیں ہی ہیں یہ کیا ضرور ہے کہ رسم وہی ہو جو کفر و شرک ہو اگلے زمانے کی رسمیں بڑی رسمیں تھیں یہ ان کے مقابلے میں چھوٹی سہی مگر ہیں تو رسمیں ہی اور ان کو چھوٹا بھی تنزلاً[3] سمجھتا ہوں ورنہ در حقیقت ان سے کچھ کم نہیں بلکہ من وجہ[4] زیادہ ہی ہیں جیسا ابھی میں نے بیان کیا کہ رسوم متروکہ مبنی[5] علی الکفر تھیں اور یہ مبنی علی الکبر ہیں اور کبر کفر کی جڑ ہے۔ غرض موجودہ رواج بھی سارے کے سارے رسوم ہی ہیں تغافل کی وجہ سے ذہنوں میں سے ان کا قبح جاتا رہا ہے۔ رسمیں سب چھوڑ دینے کے قابل ہیں۔ ان میں جتنی مصلحتیں بتائی جاتی ہیں سب من سمجھوتی[6] ہیں۔ حقیقت میں سب التزام مالا[7] یلتزم ہے اچھے اچھے سمجھدار ان میں بیوقوف بن جاتے ہیں اور پیروی کیے جاتے ہیں۔ بہت سی رسموں کی مصلحت اور وجہ ایجاد معلوم بھی نہیں مگر اسی ہیئت کے ساتھ ادا برابر ہوتی ہیں جب کوئی وجہ بھی ان کی ذہن میں نہیں تو تقلید محض ہوئی یا نہیں اور کسی کی تقلید شریعت کی تو درکنار کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ کسی عقلمند کی بھی تقلید ہے۔ حاشا و کلا بس سوائے اس کے نہیں کہ جہلاء کی تقلید ہے اور رسم محض ہے مصلحت کا نام بھی لینا غلط ہے اور غضب یہ ہے کہ بہت سی

۱۔ فعل کی اضافت فاعل کی طرف ہوگی ۲۔ گناہ ۳۔ نیچے اتر کر یعنی چھوٹے درجہ میں شمار کر کے ۴۔ ایک اعتبار سے ۵۔ وہ اس میں جو چھوڑ دی گئیں کفر پر مبنی تھیں اور یہ تکبر پر مبنی ہیں اور تکبر کفر کی جڑ ہے ۶۔ دل کا بہلاوے۔ ایسی چیز کو ضروری سمجھنا جو انسان کے ذمہ ضروری نہ ہو

رسمیں اب بھی برکت حاصل کرنے کے لیے ادا کی جاتی ہیں جب تک فلاں فلاں کام نہ ہوں شادی سزاوار نہیں ہوگی[۱]۔ نعوذ باللہ اور انہیں رسموں کی نسبت جن کی بناء پر تقلید جہلاء پر ہے۔ قرآن شریف میں ہے۔ ولاتبرجن تبرج الجاھلیتہ الاولیٰ اور افحکم الجاھلیتہ یبغون[۲]۔ ازواج مطہرات کو حکم ہے کہ جیسا جاہلیت میں بے دھڑک نکلتی تھیں اب نہ نکلو۔ اور بطور انکار فرماتے ہیں کیا جاہلیت کا حکم پسند کرتے ہیں۔ بہت لوگ یہ بھی کہہ دیتے ہیں کہ رسموں کا شریعت میں کہیں ثبوت نہیں تو منع کا بھی ثبوت کہاں ہے کیا اچھے کپڑے پہننا منع ہے اپنی اولاد کو دینا جائز ہے مہمانوں کی خاطر داری بری بات ہے میں کہتا ہوں منع کا ثبوت قرآن سے تو مذکور ہوا اب حدیث لیجیے ارشاد ہے من لبس ثوب الشھرۃ البس اللّٰہ ثوب الذل یوم القیمۃ یعنی جو کوئی کپڑا دکھاوے کے لیے پہنے گا اس کو قیامت کے دن ذلت کا لباس پہنایا جائے گا۔ یہ حدیث کپڑے کے بارے میں بالکل صریح ہے اور رسوم کو باشتراک علت شامل ہے اس وعید کی علت شہرت ہے جس کام میں شہرت کا قصد کیا جائے سب اس کے اندر آگئے خواہ اس کو بیٹی کا دینا کہہ لو۔ یا مہمانوں کی خاطر سمجھا کرو جب عقل سے کام لوگی تو حقیقت میں بناء ان رسموں[۳] کی صرف دکھلاوے اور التزام مالایلتزم ہی پر پاؤگی۔ بیبیو! اگر ان رسموں میں بھلائی ہوتی تو دونوں جہان کے بادشاہ جناب رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے نکاح میں ضرور ہوتیں۔ کیا حضور ﷺ کے یہاں کہیں کی کمی تھی حق تعالیٰ جو چاہتے دیدیتے۔ آپ کی منگنی کا قصہ میں بیان کرتا ہوں۔ اول یہاں کی منگنی کے خرافات سنیئے یہاں شادی سے پہلے اس

۱۔ جیسے آج کل دولہا دلہن کا ہاتھ بکری پر لگوا کر اور چھری پر لگا کر اس کو ذبح کرنا اور صدقہ کرنا ۲۔ الاحزاب آیت ۳۳۔ ۳۔ رسموں کی بنیاد

کے مقدمہ ہی میں جس کی حقیقت سوائے زبانی بخت و پز[1] کے کچھ بھی نہیں ہے کیا کیا کچھ طو[2] مار پھیلائے جاتے ہیں اس کا بھی پورا ایک قانون مرتب ہے دور دراز سے سفر کر کے لڑکے والا جائے۔ اپنا وقت ضائع کرے روپیہ برباد کرے اتنے دنوں میں جو کچھ کماتا اس کو سوخت[3] کرے تب اس سے بات قرار پائے یہ بہت اجمال کے ساتھ بیان ہے ورنہ جو جو قیدیں منگنی میں طرفین سے مقرر ہیں سب جانتے ہیں۔ حاصل یہ کہ جو کام دو پیسے کے خط سے نکلتا اس میں صدہا[4] روپے ضائع کیے جاتے ہیں کیوں صاحب اس میں کیا مصلحت ہے اگر یہ کہو کہ خط پہنچا نہ پہنچا کیا اعتبار ہے تو کہا جاسکتا ہے کہ خط کو رجسٹری کرادیا ہوتا یا بیمہ کرا کے بھیجا ہوتا اگر اس میں بھی ضائع ہونے کا احتمال ہے تو یہ احتمال غیر ناشی عن دلیل[5] ہے اور اس کو خبط اور وہم کہتے ہیں۔ ہم جس مکان میں بیٹھے ہیں اس میں ہر وقت امکان عقلی موجود ہے کہ گر جائے لہذا چاہیے کہ بھاگیں پھر جس مکان میں جائیں گے وہاں بھی یہی احتمال ہے نتیجہ یہ کہ بھاگے پھریں یہ پاگل پن ہے یا کچھ اور ایسے احتمالات پر اگر حکم کریں تو دنیا کا ایک کام بھی نہ چلے۔ ہزار بار روپیہ کے نوٹ ڈاک ہی میں بھیجے جاتے ہیں پارسل ڈاک ہی میں جاتے ہیں اگر ضائع ہونے کا خوف ہے تو سب کاموں کے لیے آدمی ہی بھیجا کیجیے غرض منگنی کے لیے اس قدر دردسری کرنے میں مصلحت کچھ بھی نہیں صرف پابندی رسم ہے ہمیشہ سے ایسا ہی ہوتا چلا آیا ہے۔

شادی بیاہ کی سب رسمیں ہندوؤں کی ایجاد ہیں

میں کہتا ہوں اسی میں غور کیا ہوتا کہ ہمیشہ سے کب سے ہوتا چلا آیا ہے

۱- زبانی وعدہ ۲- طریقے ۳- جلائے ۴- سینکڑوں روپے ۵- اس پر کوئی معقول دلیل موجود نہیں

ہندوستان میں پہلے مسلمان نہ تھے۔ اب دو حال سے خالی نہیں یا تو جب مسلمان ہندوستان میں آئے ان رسموں کو بھی اپنے ساتھ لائے یا یہاں کی رسمیں تھیں مسلمانوں نے بھی لے لیں شق اول[1] تو غلط ہے کیونکہ اگر یہ رسمیں اسلامی رسمیں ہوتیں تو مسلمانوں کی کتاب میں ہوتیں حالانکہ ایسا نہیں لہذا ثابت ہوا کہ شق ثانی ہی صحیح ہے یہ سب رسمیں ہندوؤں کی ہیں انہیں کی صحبت سے مسلمانوں میں بھی آگئیں۔ رسموں کے نام خود بتاتے ہیں کہ ہندوستان کی ایجاد ہیں مثلاً بری لفظ ہندی ہے بر دولہا کو کہتے ہیں اگر کسی اور ملک کی رسم ہوتی تو فارسی یا عربی میں نام ہوتا۔

تشبہ کی حقیقت

اسی طرح بھوڑا ٹیپٹو ہندی لفظ ہے عقل صاف کہتی ہے کہ ہندوؤں کی رسمیں ہیں ہندوؤں سے خلا ملا ہونے سے مسلمان بھی سیکھ گئے من تشبہ بقوم فھو منھم جس نے جس قوم کی مشابہت کی وہ اسی میں سے ہے بہت مشہور حدیث ہے مگر تعجب ہے کہ اس کا مصداق صرف کوٹ اور پتلون یعنی انگریزی وضع کو قرار دے رکھا ہے حالانکہ تشبیہ عام ہے لباس میں ہو یا رسم و رواج میں۔ ایک قصہ مجھ کو یاد آیا۔ ایک بزرگ تھے وہ ہولی کے دن باہر نکلے تو ہندوؤں کی ہر چیز کو رنگین پایا حتیٰ کہ جانوروں کو بھی۔ راستے میں ایک گدھا پڑا ہنسی میں کہنے لگے۔ تجھ کو کسی نے نہیں رنگا اور یہ کہہ کر اس پر پان کی پیک ڈال دی مرنے کے بعد کسی نے خواب میں دیکھ کر حال پوچھا فرمایا کہ اس پیک ڈالنے پر مواخذہ ہوا کہ اس کو ہولی کھیلنے والوں کے ساتھ لے جاؤ۔ تشبیہ ایسی چیز ہے محمود بادشاہ نے جب

1۔ پہلی صورت

ہندوستان کو فتح کیا اور سومنات کا مندر توڑا تو تمام بت توڑ ڈالے جو بت سب سے بڑا تھا اس کو بھی توڑنا چاہا پجاریوں نے بہت الحاح[1] وزاری کی اور کہا اس کے برابر ہم سے سونا لے لیا جائے اور اس کو نہ توڑا جائے محمود نے ارکان سے مشورہ کیا سب نے کہا ہم کو فتح ہو ہی چکی اب ایک بت کے چھوڑ دینے سے ہمارا کیا جاتا ہے۔ اس قدر مال ملتا ہے لشکر اسلام کے کام آئیگا۔ چھوڑ دینا چاہیئے مجلس میں سپہ سالار مسعود غازی بھی تھے فرمایا یہ بت فروشی ہے اب تک بادشاہ بت شکن مشہور تھا اب بت فروش کہلائے گا محمود کے دل کو یہ بات لگ گئی مگر گونہ[2] تردد باقی تھا دوپہر کو سویا تو خواب میں دیکھا کہ میدان حشر ہے اور ایک فرشتہ ان کو دوزخ کی طرف یہ کہہ کر کھینچتا ہے کہ یہ بت فروش ہے دوسرے فرشتے نے کہا کہ نہیں یہ بت شکن ہے اس کو جنت میں لے جاؤ اتنے میں آنکھ کھل گئی فوراً حکم دیا بت توڑ ڈالا جائے اس کو جو توڑا تمام پیٹ میں جواہرات بھرے ہوئے نکلے حق تعالیٰ کا شکر کیا کہ بت فروشی سے بھی بچا اور جس مال کی طمع میں بت فروشی اختیار کرتا تھا اس سے زیادہ مال بھی مل گیا یہ جنت اور دوزخ کی طرف کھینچا جانا اس تردد کی صورت دکھائی گئی جو محمود کے قلب میں تھا۔ خیال کرنے کی بات ہے کہ بت کو چھوڑ دینا حقیقت میں بت فروشی نہ تھا لیکن صورۃً بت فروشوں کی مشابہت تھی جس کا یہ نتیجہ ہوا خدا پناہ دے مسلمانو! اس میں سب کفار کی رسمیں ہیں مزید برآں مل گیا ہے ان میں تفاخر اور رسول اللہ ﷺ کی مخالفت اور بدعات ظلمات بعضها فوق بعض. تہ بتہ تاریکیاں شر کے اندر سر گھسا ہوا ہے۔

۱۔ روئے اور التجا کی ۲۔ تھوڑا سا

حضرت فاطمہؓ کی منگنی اور نکاح

ہاں سنیئے بی بی صاحبہ کی منگنی کیونکر ہوئی۔ حضرت علیؓ نے خود جا کر حضور ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح مجھ سے کر دیجیے حضور ﷺ نے وحی سے منظور فرمالیا یہ منگنی ہو گئی یہاں کچھ بھی نہ ہو۔ فقط دولہا مجمع میں بول بھی اٹھے تو غضب آجائے کیسا بے حیا دولہا ہے۔ اب بی بی صاحبہ کے نکاح کی سنیئے اور بارات کا سامان سنیئے حضور ﷺ نے حضرت ابو بکرؓ کو اور چند صحابہؓ کو بلا بھیجا اور نکاح پڑھ دیا۔ مواہب لدنیہ میں ہے کہ حضرت علیؓ اس وقت موجود بھی نہ تھے نکاح ہو جانے کے بعد آپ کو خبر پہنچی تب آپ نے قبول کیا۔ یہ بارات تھی کہ نوشاہ بھی ندارد[1] پھر حضور ﷺ نے ام ایمن کو حکم دیا (یہ ایک لونڈی تھیں) کہ فاطمہؓ کو علیؓ کے گھر پہنچا آو۔ بی بی صاحبہ منہ لپیٹے ہوئے ہاتھ پکڑائے اپنے گھر پہنچ گئیں۔ یہ رخصتی ہوئی۔

جہیز دیا رسول اللہ ﷺ نے مگر نہ اتنا کہ گھر لٹا دیا نہ کسی کو دکھایا جہیز دینے سے منع نہیں کیا جاتا۔ ہاں جس طرح دیتے ہیں وہ بیشک منع ہے۔ ایک ایک عدد اٹھا اٹھا کر سب کو دکھایا جاتا ہے جوڑوں پر گوٹہ لپیٹا جاتا ہے کہ جو کوئی نہ بھی دیکھے تو اس کی چمک سے نگاہ اٹھ جائے بیبیو! یہ تو جائز نہیں ہو سکتا بعض لوگوں نے آج کل اس کی یہ اصلاح کی ہے کہ جہیز کھول کر دکھاتے اور گنواتے نہیں صندوقوں میں بند کر کے برادری کے سامنے رکھ دیتے ہیں۔ میں کہتا ہوں یہ اس سے بھی بدتر ہے کھول کر دکھانے سے تو ایک حد اور مقدار اس کی ذہنوں میں آجاتی ہے اسی کے موافق تحسین و آفریں ہوتی ہے اور بند جہیز کی نسبت یہی خیال ہوتا ہے کہ خدا جانے کیا کیا کچھ ہو گا اس سے دینے والے کے نفس کو اور زیادہ بڑائی کا موقع ملتا ہے

۱۔ دلہا بھی غائب

جہیز کو رخصتی کے وقت بالکل بھیجو ہی مت گھر میں رکھا رہنے دو جب لڑکی کا گھونگھٹ کھل جائے تب لے جاؤ اور اس کے ہاتھ میں فہرست دو اور گنوا دو اور کنجیاں اس کے حوالے کردو کہ یہ تیرا جہیز ہے یہ طریقہ تو ہے محبت سے دینے کا باقی سب ریاء و نمود ہے۔ یہ طریقہ اس رواج سے بہتر ہے کہ جس کا جہیز ہے اس کو خبر بھی نہیں ہوتی سسرال والوں کو کنجی دیدی جاتی ہے اگر کوئی چیز جاتی آتی رہتی ہے تو تمام عمر کی لڑائی بندھ جاتی ہے اور ایسا ہوا ہے کہ سسرالیوں کی بد نیتی سے یا غفلت سے جہیزیں ضائع ہو گئی ہیں۔

اب چوتھی اور چالا یعنی بھوڑا سنیئے نکاح سے اگلے دن جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علیؓ کے یہاں تشریف لے گئے اور حضرت علیؓ سے فرمایا ذرا سا پانی لاؤ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا تم بھی ذرا سا پانی لاؤ اور دونوں پر پانی چھڑکا اور دعا دی اس سے معلوم ہوا کہ حضرت فاطمہؓ اس وقت گھر چلتی پھرتی تھیں۔ یہاں کی طرح بت بنی نہیں بیٹھی تھیں۔

شادی کے موقع پر کیجانے والی ایک بے ہودہ رسم

یہاں یہ بھی ایک تکلف ہے کہ بہو بالکل بت ہوتی ہے حیوان متحرک کی جگہ حیوان غیر ذی حرکت بن جاتی ہے[1] پاخانہ پیشاب کو بھی بلا دوسرے کے نہیں جاسکتی ہنس بول نہیں سکتی۔ سچ مچ کے صبس بے جا میں رکھی جاتی ہے کئی کئی دن پہلے سے کھانا کم کیا جاتا ہے اس خوف سے کہ پاخانہ کی حاجت ہوگی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ بہو ایسی ہونی چاہیئے جس کے پیچھے حاجات انسانی نہ ہوں

۱۔ حرکت کرنے والے جاندار کے بجائے ایک غیر متحرک جاندار بن جاتی ہے

انسانیت سے خارج ہو بولتی نہ ہو گونگی ہو۔ اس حبس[1] بے جا کو یہاں تک بڑھایا ہے کہ بہو نماز بھی نہیں پڑھتی۔ اول تو نمازی ہوتی بہت کم ہیں اور جو کوئی نمازی ہوئی بھی تو نماز کے وقت اگر کوئی سہیلی موجود ہے تو دبے دبائے پڑھ لی اور نہیں تو یہ عذر ہے کہ کوئی تھا نہیں کون پڑھواتا۔ اکیلی کس طرح پڑھتی تف[2] ہے اس پردے پر بہت جگہ اس قید سے لڑکیاں بیمار ہو گئی ہیں اور جان کے لالے پڑ گئے ہیں۔ ہم لوگوں نے جو بات اختیار کی ہے افراط و تفریط[3] سے خالی نہیں پردہ ہو تو اتنا گہرا اور نہ ہو تو بالکل نہیں دیور جیٹھ خالہ پھوپھی کے لڑکوں سے بالکل پردہ نہیں حالانکہ حدیث شریف میں ہے۔ الحمو الموت یعنی دیور موت ہے۔ سفر میں جب چلیں گی تو ریل جیسے آسان سفر میں نمازیں قضا صرف اس عذر سے کہ قبلہ معلوم نہ تھا یا وضو کے لیے پانی کہاں سے آتا پانی مانگنے یا قبلہ پوچھنے میں بے پردگی ہوتی ہے کیوں بیبیو! جس گاڑی میں تم بیٹھی ہو اگر اس میں کوئی حادثہ ہو جائے مثلاً آگ لگ جائے یا چور ڈاکو گھس آئے تو اس وقت بھی نہ بولو گی اس وقت تو وہ دہائی مچاؤ گی کہ قیامت برپا ہو جائے اس وقت پردہ کہاں جائے گا۔ بات یہ ہے کہ وہ دنیاوی حادثات کی تو ہول دل میں ہے اور اخروی حادثے یعنی گناہ کے انجام کچھ سمجھے نہیں جاتے بہت ہلکی اور معمولی چیزیں ہیں یہ خبر ہے کہ گاڑی میں آگ لگنے یا چور ڈاکو کے ہاتھ سے زائد سے زائد جان جاتی رہیگی یہ تھوڑی سی دیر کی تکلیف ہے کہ ہوئی اور ہو گئی اور ایک نماز کے بدلے ہزاروں برس اس عذاب میں رہنا ہو گا جس کے سامنے دوزخی موت کی تمنا کریں گے بہو بے چاری حیوان غیر حساس کو یہ عذر ہے کہ کوئی پاس نہ تھا نماز کیسی پڑھتی گھر والوں کو اور سب کاموں کے ہوش ہیں کھانا کھلانے دینے دلانے میں کوئی کوتاہی نہیں ہوتی ہاں نماز

۱۔ بے جا قید ۲۔ افسوس ہے ۳۔ کمی زیادتی

پڑھوانے کا بیشک خیال نہیں رہتا خوب سمجھ لو کہ سارے گھر والے مجرم ہیں گناہ ایک بہو پر ہی نہیں سب کو سزا ہوگی۔ غرض پردہ میں جہاں افراط ہے وہاں اس حد تک اور جہاں تفریط ہے وہاں بالکل اڑا ہی دیا۔ یہ سب تراشی ہوئی رسمیں ہیں یا نہیں کیا ان کا کوئی ثبوت ہوسکتا ہے۔ حضرت فاطمہؓ خود اٹھ کر پانی لائیں کسی سہیلی نے لاکر نہیں دیا۔

بعض لوگ کہدیا کرتے ہیں کہ اگلے مولویوں نے کبھی ان رسموں کو نہ ٹوکا ساری نصیحت آج ہی کل کے مولویوں کے حصے میں آگئی اس کا جواب ایک تو میں پہلے دے چکاہوں کہ نصیحت جب ہی دل میں پڑتی ہے کہ جب توجہ ہو ورنہ دیوار کو سنانا ہے۔ دوسرا یہ کہ ہمیں کچھ بحث نہیں مولویوں نے منع کیا ہو یا نہ کیا ہو جب حدیث میں موجود ہے تو آگے کچھ حجت کی ضرورت نہیں۔ نیز میں کہتاہوں اگلے مولویوں نے بھی ضرور منع کیا۔ فقہا نے عورتوں کو اس مجمع میں جانے سے منع کیا ہے جس میں یہ مفاسد ہوں دیکھو ردالمختار[1] میں لکھا ہے۔

گناہ کو گناہ نہ سمجھنے کا نقصان

یہ مسئلہ ایک طالب علم بھی بتا سکتا ہے مگر یہ ترکیب غضب کی ایجاد ہے کہ مفاسد کو مفاسد ہی نہ کہو موجودہ رسموں کو رسم ہی نہ کہو کہ ان پر منع وارد ہو یہ جہل مرکب اور قلب کی موت[2] ہے کرنے کو جو چاہو کر گذرو مگر یہ یاد رکھو کہ گناہ کا گناہ ہونا تمہارے سمجھنے نہ سمجھنے پر موقوف نہیں واقع میں جو اثر گناہ کا ہے وہ ضرور ظاہر ہوگا۔ اگر کوئی زہر کھالے اور دل میں خیال کرے کہ زہر نہیں شکر ہے تو کیا وہ شکر ہوجائیگا ہرگز نہیں۔ تھوڑی سی دیر میں مزہ دکھائیگا حق کو اختیار کرلو یا باطل کو۔

۱۔ فقہ حنفی کی مشہور کتاب ہے ۲۔ دل کا مردہ ہونا ہے

ایک طرف کا ہوجانا اس سے بہتر ہے کہ غلطی میں پڑے رہو اور اس کو غلطی نہ سمجھو یہ شخص غلطی میں مبتلا ہو مگر اس کو غلطی سمجھتا ہے تو کبھی نہ کبھی یہ امید ہے کہ اس کو چھوڑ دے گا۔ اور جو شخص غلطی کو غلطی ہی نہیں سمجھتا اس سے کیا امید ہو سکتی ہے خود تو متنبہ کیوں ہونے لگا۔ اگر کوئی اور بھی خبردار کرے تو جواب میں کہے گا واہ اس میں بھی کچھ برائی ہے جو میں چھوڑ دوں ایسا شخص ہمیشہ گناہ میں مبتلا رہے گا موت کے وقت بھی توبہ نصیب ہونے کی کیا امید ہے غرض یہ خیال بالکل غلط سمجھو کہ موجودہ رسمیں رسمیں نہیں ہیں اور ساتھ ہی اس کے رسمیں چھوڑنے کی بھی ہمت کرو ان کو ہلکا نہ سمجھو یہ اس اصل کی فرع ہیں جو تمام گناہوں کی حتیٰ کفر و شرک کی بھی جڑ ہے۔

یہ میں نے چند نظیریں[1] کبر کی بطور مثال کے بیان کی ہیں ان کو اور ہر اس عمل کو جو کبر کی فرع ہو چھوڑ دو جیسے غیبت حسد وغیرہ۔ غیبت کوئی جب ہی کرتا ہے کہ جب اپنے آپ کو اس سے اچھا سمجھتا ہے جس کی غیبت کرتا ہے کسی مریض کو ہنستا وہی شخص ہے جو خود تندرست ہو اور اگر اپنے آپ کو اس سے بھی زیادہ مریض پائے تو کہیں نہیں دیکھا ہوگا کہ وہ اپنے سے کم مریض کو ہنستا ہو یہ اچھا سمجھنا ہی کبر ہے علیٰ ہذا دوسرے کی نعمت کو دیکھ کر جو آدمی جلتا ہے (جسے حسد کہتے ہیں اس کی بناء[2] بھی اس پر ہے کہ اس صاحب نعمت سے زیادہ اپنے آپ کو اس نعمت کا اہل سمجھتا ہے یہ بھی اپنے نفس کی بڑائی ہے جس کو کبر کہتے ہیں۔ غرض اکثر گناہوں کو ٹٹولو گی تو بناء کبر[3] ہی پر پاؤ گی۔ لہذا اب کو چھوڑ دو حتیٰ کہ معاصی کی اصل ہی دل میں سے نکل جائے کیونکہ بڑائی کو حق تعالیٰ نے اپنے ساتھ مخصوص فرمایا ہے کسی دوسرے کا اس میں حصہ نہیں تو جو شخص کبر کو نہیں

۱۔ چند مثالیں تکبر کی ۲۔ بنیاد ۳۔ اسکی بنیاد کبر ہی نکلے گی

چھوڑتا وہ نہیں پہچانتا کہ یہ کس کا حق تھا اور کس کو دیتا ہے تو اس نے نہ نفس کا حق پہچانا نہ حق تعالیٰ کا اس سے بڑھ کر جاہل کون ہوگا یہ شخص معاصی سے کبھی چھوٹ نہیں سکتا جس گناہ میں بھی پڑ جائے کم ہے کیونکہ معاصی[۱] کی جڑ اس کے دل میں موجود ہے ایک سے بچے گا دوسرے میں پڑ جائے اس واسطے حق تعالیٰ نے ایک ایسا علاج اس کا بتایا کہ جب اس کو مستحضر رکھا جائے تو نہ چھوٹا گناہ ہو نہ بڑا۔

تکبر اور دوسرے گناہوں سے بچنے کا طریقہ

وہ علاج یہ ہے کہ اپنی ایک صفت کو بیان فرمایا کہ جب خیال رکھو گی کہ یہ کسی دوسرے کے لیے کسی وقت اور کسی حالت میں ثابت نہ ہونے پائے تو گناہ تم سے خود بخود چھوٹتے جائیں گے۔ وہ صفت عظمت ہے ولہ الکبریاء فی السموات والارض[۲] (اور اسی کو زمین اور آسمانوں میں بڑائی حاصل ہے) یہ اصل کل[۳] ہے تمام گناہوں سے حفاظت کی اور جب صفت کبریاء یعنی عظمت مختص ہوئی ذات باری تعالیٰ کے ساتھ تو نفس کے واسطے کیا رہ گیا تذلل[۴] یہ اصل ہے تمام عبادات کی تو جس شخص نے صفت کبریاء کو مختص مان لیا حق تعالیٰ کے ساتھ اس نے حق تعالیٰ کو بھی پہچان لیا اور نفس کا بھی اس سے بڑھ کر کوئی عالم یا محقق ہو سکتا ہے انہیں کی شان میں ہے واولئک ھم اولوا الالباب[۵] یعنی عقلمند لوگ یہی ہیں جب آدمی کے دل میں سے تمام گناہوں کی اصل نکل گئی اور تمام عبادات کی جم گئی تو سبھی کچھ اس نے پالیا اس کو دن دو گنی رات چوگنی ترقی ہوگی۔ اس کے ساتھ اتنا اور سمجھ لو کہ یہ اصل کلی بہت مختصر الفاظ سمجھائی گئی ہے

۱۔ گناہوں ۲۔ الجاثیہ آیت ۳۷۔ ۳۔ تمام گناہوں سے حفاظت کا اصلی علاج ہے ۴۔ پستی ۵۔ الزمر آیت ۱۸

مگر بعض اوقات بلا تفصیل کے اس پر عمل دشوار ہوتا ہے یعنی جب تک عمل ہر ہر عمل کی نسبت معلوم نہ ہو کہ اس کا منشاء کبر کس طرح ہے اس کا ترک آسان نہیں ہو سکتا اس کے لیے سہل اور مفید تدبیر یہ ہے کہ کتابوں کا مطالعہ کیا جائے بلکہ کسی سے سبقاً سبقاً پڑھ لیا جائے اور جو کوئی پڑھ نہ سکے وہ کسی عالم سے وقتاً فوقتاً سن لیا کرے واقعات کو پوچھتا رہے اور وعظ سنا کرے اور عورتوں کو خاص طور پر یاد رکھنا چاہیے کہ جہاں ان کی ہانڈی چولہے کا ایک وقت ہے کتاب کے پڑھنے یا سننے کا بھی ایک وقت ہونا چاہیے لیکن افسوس کے ساتھ کہا جاتا ہے کہ مستورات کو اس سے بالکل مس[1] بھی نہیں مرد تو کبھی کوئی مسئلہ پوچھ بھی بیٹھتے ہیں مگر عورتوں کو نہ کہیں زبانی پوچھواتے دیکھا نہ کوئی تحریر کسی کی آتی ہے (الا ماشاء اللہ) حالانکہ بعض مسائل عورتوں کے اس قدر پیچیدہ ہیں کہ جواب دینا بھی ہر ایک کا کام نہیں مثلاً پاکی اور ناپاکی کے مسائل کی کہ فقہ کی تمام بحثوں سے ادق بحث یہ مشہور ہے صورتیں مشکل سے مشکل پیش آتی ہیں مگر اس پر عمل ہے کہ نہ پڑھی نہ قصنا ہوئی۔ کچھ عورتیں تو شرم کے مارے نہیں پوچھتیں اور بعض جو کسی قدر پڑھی لکھی ہیں وہ کسی اردو کی کتاب میں دیکھ کر جو الٹا سیدھا سمجھ میں آیا کر گذرتی ہیں حیف[2] کی بات ہے کہ اگر کوئی مرض شرم کا ہو جاتا ہے تو اس کے علاج میں یہ نہیں کرتیں کہ بلا سے جان جاتی رہے مگر شرم نہ جائے۔ علاج کے لیے کوئی نہ کوئی تدبیر ایسی نکال لیتی ہیں کہ شرم بھی نہ جائے اور علاج بھی ہو جائے۔ بیبیو! کسی مسئلہ کا تحقیق کر لینا تو آج کل کچھ بات بھی نہیں دو پیسے میں جا ہے جہاں سے جواب منگالو اگر خود نہ کر سکو اپنے خاوند کی معرفت پوچھوالو اور کسی بی بی کے ساتھ لکھوا کر دریافت کر لو اگر نہ خود لکھ سکو نہ شوہر موجود ہو۔ مگر بات یہ ہے کہ یہ سب

۱۔ عورتوں کو یہ بات چھو کر بھی نہیں گذری ۲۔ شرمندگی کا مقام ہے

جب ہو جب دین کا خیال ہو۔ اس غفلت کو چھوڑو اور دین کو دنیا سے بھی زیادہ ضروری سمجھو۔ دنیا ختم ہو جائے گی اور آخرت ختم نہ ہوگی۔ جو طریقہ میں نے بیان کیا اس سے بہت کچھ فائدہ ہو سکتا ہے۔ گھر میں جب مسائل کا تذکرہ ہوگا بچوں کے کان میں پڑیں گے اور ساری عمر ان کو یاد رہیں گے جو لوگ تمہارے تابع ہیں ان کی اصلاح ہوگی ان کی اصلاح بھی تمہارے ذمہ ضروری ہے حدیث میں ہے کلکم راع وکلکم مسؤل عن رعیتہ۔یعنی ہر بڑے کو چھوٹے کے لیے حضور ﷺ نے محافظ فرمایا کہ ہر ہر شخص کچھ نہ کچھ ذمہ دار ہے اور اس کی جواب دہی اس کے ذمہ ہے اگر نوکرانی تمہاری نماز نہیں پڑھتی ہے تو وہ گنہگار ہے مگر تم بھی اس کے ساتھ گنہگار ہو اور جواب دینا ہوگا کہ اسے نماز کیوں نہیں سکھائی تھی بعض لوگوں نے اس کا جواب یہی اختیار کر لیا ہے کہ ہم نے تو بہتیری تاکید کی مگر وہ نماز پڑھتی ہی نہیں۔ کیوں بیبیو! اگر کھانے میں وہ نمک کم و بیش کر دے تو تم کیا کرتی ہو کیا ایک دو دفعہ سمجھا کر کہ نیک بخت نمک ٹھیک رکھا کر خاموش ہو رہتی ہو اور پھر نمک ویسا ہی کھا لیتی ہو جیسا اس نے ڈال دیا ہو یہ تو کبھی بھی نہ کرو گی چاہے نوکرانی رہے نہ رہے اسے سمجھاؤ گی پھر مارو پیٹو گی۔ اگر کسی طریقہ نہ مانے گی تو نکال باہر کرو گی۔ بیبیو! دین کا اتنا بھی خیال نہیں جتنا نمک کا جو نماز کے مقابلے میں بالکل غیر ضروری چیز ہے۔ دین کا خود بھی خیال کرو اور جن پر تمہارا قابو چل سکتا ہے ان کو بھی دیندار بناؤ تمہاری کوشش سے جو کوئی دیندار بنے گا تمہیں بھی اسی کے برابر ثواب ملے گا۔ اس کا طریقہ وہی ہے جو میں نے بیان کیا کہ جہاں دنیا کے دس کاموں کا وقت ہے ایک دین کے کام کا بھی وقت نکال لو۔ جو بی بی خود کتاب پڑھ سکیں وہ کتابوں کو دیکھ کر اپنی اصلاح کریں اور جو خود نہ پڑھ سکیں کسی اپنے رشتہ دار سے پڑھوا کر سنیں علماء سے وعظ اپنے مکان میں کہلوایا کریں جو واقعات پیش

آیا کریں ان کی پوچھ پاچھ کیا کریں [1] علماء سے ان کی بی بی کی معرفت یا خط کے ذریعے سے جواب منگالیا کریں اس سے دین میں ایسی بصیرت پیدا ہوجائے گی کہ رفتہ رفتہ ہر ہر عمل کی نسبت حکم معلوم ہوجائے گا۔ جب کسی چیز کی خرابی معلوم ہوجاتی ہے تو کبھی نہ کبھی تو دل میں اس سے بچنے کا ارادہ پیدا ہوتا ہی ہے اس صورت میں اگر ذرا سی بھی ہمت سے کام لوگی تو دن دوگنی رات چوگنی ترقی ہوگی۔ ورنہ تیں شدہ شدہ [2] تمام مفاسد کی جڑ یعنی کبر بھی قلب سے نکل جائے گا اسی کو حق تعالیٰ نے اس آیت میں بیان فرمایا ہے گو اور تمام مفاسد کا علاج بتادیا کہ اس ایک صفت کو حق تعالیٰ کے ساتھ مخصوص مان لو۔ یہ صفت کسی اور کے لیے نہیں ہوسکتی وہ صفت کبریا ہے یہ ایک جڑ ہے جس کے ہزاروں شعبے ہیں اجمالاً نہیں بلکہ تفصیلاً اس کے تمام شعبوں کو حق تعالیٰ کے ساتھ خاص کردو اور میں یہ نہیں کہتا کہ سب کی سب متبحر مولوی بن جاؤ بلکہ جہاں تک موقع ملے غفلت نہ کرو جیسا روپیہ اور زیور کے جمع کرنے کا سب کو شوق ہے یہ یقینی بات ہے کہ تمام بیبیاں اپنا دل بھر کے زیور اور روپیہ نہیں پاسکتیں مگر غریب ہے تو امیر ہے تو ہر بی بی کو کوشش ضرور ہے کہ زیور اور روپیہ مل جاوے جتنی کوشش سے ایک مقدار روپیہ کی مل سکتی ہے اتنی کوشش سے بلکہ اس سے کم سے دین کی بہت بڑی مقدار مل سکتی

۱۔ احقر کی والدہ محترمہ مرحومہ فرماتی تھیں کہ حکیم الامت تھانویؒ نے ان سے اور ان کی والدہ یعنی حضرت تھانویؒ کی چھوٹی بلیہ سے یہ کہہ رکھا تھا کہ جب میں گھر میں آیا کروں تم تین مسئلے مجھ سے پوچھا کرو اور تین مسئلے میں تم کو بتایا کروں گا دن بھر میں تین مرتبہ خانقاہ سے گھر تشریف لاتے تو والدہ صاحبہ اور نانی صاحبہ کو ۱۸ مسئلے روز معلوم ہوجاتے تھے گویا ایک ماہ میں ۵۴۰ مسئلے یاد ہوگئے۔ دین کا علم سیکھنے کی کتنی آسان ترکیب ہے آج کل یہ کام حضرت تھانویؒ کی کتاب بہشتی زیور سے ہر شخص لے سکتا ہے کہ اپنے گھر والوں کو روزانہ اس میں سے تین مسئلہ پڑھ کر سنائے اس طرح بہت جلد پورے گھر کو بہت سے مسائل کا علم ہوجائے گا فقط خلیل

۲۔ آہستہ آہستہ

بے ہمت نہ ہارو کچھ نہ کچھ ہو ہی رہے گا۔ تم ایک حصہ کماؤ گی تو خدا تعالیٰ کی طرف سے دس حصے مرحمت ہوں گے۔ آگے اس مضمون کو حق تعالیٰ نے وھو العزیز الحکیم (وہ غالب وصاحب حکمت ہے) سے مؤکد کیا ان لوگوں کے چونکانے کے لیے جو اس مفسدے سے کسی طرح بچتے ہی نہیں۔ اور اپنے عیب پر ان کی نظر پڑتی ہی نہیں جب ان کو سمجھانے اور ان کی بھلائی سوجھانے سے اثر نہیں ہوتا تو فرماتے ہیں میں عزیز یعنی غالب بھی ہوں اگر تم کہنا نہ مانو گے تو میرے ہاتھ سے کہیں جا نہیں سکتے جیسی چاہوں سزا دوں گا۔

اور اگر کسی برے عمل پر فوراً سزا نہ ملے تو مطمئن مت ہو جاؤ میں حکیم بھی ہوں کسی مصلحت سے مہلت دیتا ہوں بعض لوگ رشوت لیتے ہیں اور کہتے ہیں ہمیں رشوت سزاوار ہے صاحبو! اس دھوکے میں نہ رہو کے خدا غضب کو مت بھولو۔ اول تو دنیا ہی میں سزا ملے گی اور اگر دنیا میں کسی حکمت اور مصلحت سے ٹل ہی گئی تو آخرت تو دار الجزاء[۱] ہے ہی وہاں کی سزائیں اور زیادہ سخت ہیں وہاں کی سزا سے تو دنیا ہی کی سزا بھگت لینا اچھا ہے۔ وہاں کے احوال و آفات کو سوچتے رہنا چاہیے۔ تصریح موجود ہے۔ ولتنظر نفس ماقدمت لغد[۲] یعنی چاہیے کہ خیال رکھے ہر شخص کا کہ کل کے لیے کیا سامان کیا ہے۔ اور اسی کے یاد دلانے کے لیے حضور ﷺ فرماتے ہیں زوروا القبور واکثروا ذکرھادم اللذات یعنی قبروں پر جایا کرو اور لذتوں کو مٹانے والی چیز یعنی موت کو بہت یاد کیا کرو۔

(اس سے عورتیں یہ فتویٰ نہ نکال لیں کہ قبرستان میں جانا جائز ہے عورتوں کے پردے سے نکلنے میں بہت سی خرابیاں ہیں مراد تذکر آخرت و قیامت[۳] ہے جس طرح بھی ہو کسی مقرب کتاب میں قیامت کے حالات پڑھیں

۱۔ بدلہ کا گھر ۲۔ الحشر آیت ۱۸ ۳۔ آخرت و قیامت کا یاد کرنا ہے

یاسنیں) اور یہ موت اور قیامت کی اجمالی حالت کافی نہیں کو کوئی موت موت کی تسبیح پڑھا کرے بلکہ موت کو یاد رکھنا یہ ہے کہ جب کوئی کام کرے سوچ لے کہ بعد موت کے اس پر کوئی جواب دہی تو میرے ذمہ عائد نہ ہوگی۔ ہمیشہ اس کا خیال رکھو اور اگر کچھ کام قابل جواب دہی ہوگئے ہیں تو ان سے توبہ کرو اور برابر توبہ کرتی رہو۔ اب دعا کرو کہ خدا تعالیٰ اس کی توفیق دیں[1]۔

۱۔ دختر کشمی اور اسکی اولاد کو اپنی دعاؤں میں یاد رکھنا۔ خلیل

مجدد ملت حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نوراللہ مرقدہ کا

ارشاد گرامی

علماء کی خدمت مسلمانوں کے ذمہ فرض ہے: اور آپ کے ذمہ ان کی خدمت ضروری بھی ہے کیونکہ وہ آپ ہی کے کام میں لگے ہوئے ہیں۔ دین کی حفاظت سب مسلمانوں کے ذمہ فرض ہے تو یہ سب مسلمانوں کا کام ہے، جو لوگ علم دین کی تعلیم و تعلم میں لگے ہوئے ہیں وہ سب مسلمانوں کی طرف سے فرض کفایہ کو ادا کر رہے ہیں اگر یہ لوگ پڑھنا پڑھانا چھوڑ دیں تو پھر یہ کام ہر شخص پر فرض ہوجائے، اور اگر کسی نے بھی اس کو انجام نہ دیا تو سب گنہگار ہوں گے، پس یہ تو ثابت ہوگیا کہ جو لوگ علم دین میں مشغول ہیں وہ آپ ہی کے کام میں لگے ہوئے ہیں اور تجربہ و مشاہدہ سے یہ بات ثابت ہے کہ علم دین کے ساتھ کسب معاش کا کام نہیں ہوسکتا اور اگر کوئی ایسا کرنا بھی چاہے تو اس کو علم دین کامل طور پر نہ حاصل ہوگا۔ ایک آدمی ایک زمانہ میں دو بڑے کام نہیں کرسکتا جن کے لیے پورے انہماک کی ضرورت ہے۔ اس مقدمہ کے ساتھ اب دوسرا مقدمہ یہ ملایئے کہ شریعت کا قانون ہے کہ جو شخص کسی کے کام میں محبوس ہو اس کا نفقہ اسی کے ذمہ ہے جس کے کام میں وہ محبوس ہے، چنانچہ بیوی کا نفقہ شوہر کے ذمہ بوجہ حبس ہی کے ہے، قاضی کی تنخواہ سب مسلمانوں کے ذمہ اسی لیے ہے کہ وہ ان کے کام میں محبوس ہے، بیت المال سے ملنا گویا سب مسلمانوں کے پاس سے ملنا ہے۔ اسی قاعدہ سے اہل علم کا نفقہ تمام مسلمانوں کے ذمہ ہے ان کو خود ان کی خدمت کرنا چاہیے اگر ہم اس قرآن کی خدمت نہ کریں گے تو اس سے یہ سمجھا جائے گا کہ ہمارے نزدیک تعلیم و تعلم قرآن کی کچھ وقعت بھی نہیں، حالانکہ اس حدیث میں اس کی فضیلت صاف موجود ہے کہ: قرآن کی تعلیم و تعلم میں جو لوگ مشغول ہیں وہ سب سے افضل ہیں۔

از و عظ: التعميم لتعليم القرآن الكريم